مابعد جدید تنقید کی تیسری فکریاتی اور جمالیاتی کائنات

نظام صدیقی

527، دائرہ شاہ محبّ اللہ، بہادر گنج، الہٰ آباد۔211003 (یوپی)

گزشتہ سے پیوستہ

(۱۴) ٹیری ایگلٹن کی ''تھیوری کے بعد'' After Theory کے ردّعمل میں اکیسویں صدی کے عالمی منظر نامہ پر دو معرکہ آرا کتابیں ''ترجمہ کی تیسری کائنات'' (The Third World of Translation) پروفیسر ہنری لوئی گیٹس کی ''تھیوری کی تیسری کائنات'' (The Third World of Theory) بھی وجود پذیر ہوئی ہیں جو تھیوری کے بارے میں خوش آئند بشارت دیتی ہیں کہ مستقبل میں تھیوری بدلی ہوئی ہیئت میں قائم رہے گی اور نئی جہات کی سمت نما ہوگی۔ مجموعی طور پر دونوں کتابیں اکیسویں صدی میں نئی تھیوری کے مزید استحکام، ارتفاع اور ارتقا کے ضمن میں کافی اُمید انگیز، ایقان آگیں اور مستقبل آفریں ہیں۔ ان کے علاوہ خود ہندوستان میں ابھی ابھی شائع شدہ سُکانت چودھری کی کتاب ''متن کی مابعد الطبیعات'' (The Metaphysics of Text) اور پردیپ کمار دَتا کی کتاب ''غیر متجانسات: جدید ہندوستان میں شناختی تشکیلات (Hetrogeneities: Identity for Mations in Modered India) بین العلومیت (Interdiciplinarity) اور ماورائے علومیت (Trans Disciplinarity) کی کھدان ہیں اور نئے نقطہ ہائے نظر نئے طریقہ ہائے کار اور نئے امکانات کی نشاندہی کرتی ہیں۔

(۱۵) اس عالمی، قومی اور مقامی نئی صورتحال میں بھی اردو زبان وادب کے تناظر میں ادبی لانگ (Langue) یا ادبی روایت اور نت نئی پارول آفرینی یا کلام آفرینی کے مثبت اور حرکی تصور کو ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے۔ ہر متن، فوق متن یا پارول (کلام) جو وجود میں آتا ہے۔ وہ مخصوص ادب کی لانگ یا روایت کی رُو سے اور اُس کے حوالہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ یوں پرانی، فرسودہ اور از کار رفتہ ساخت کی جگہ ایک نئی تازہ کار اور نادرہ کار ساخت لے لیتی ہے جو اکیسویں صدی کے جمالیاتی، فکریاتی اور ثقافتی تناظر میں نئی اِضافی تخلیقیت، نئی اضافی عصریت، نئی اضافی معنویت اور نئی اضافی فنّیت سے مزید روشن، منور اور فروزاں ہوگی۔

محولہ بالا مرکزی تصورات اور فکریاتی امتیازات کے پیش منظر کے ساتھ مابعد جدید تنقید اور ادب کے فکریاتی اور علمیاتی پس منظر کا مطالعہ بھی ناگزیر ہے۔ بیسویں صدی کی ستر کی دہائی میں شدید سماجی، تہذیبی، سیاسی اور فکری اضطراب کا دور تھا۔ ایک نئی پیدائش کا پیش سایہ دراز ہو رہا تھا۔ جدیدیت سے ایک فیصلہ کن آخری انحراف رونما ہو رہا تھا بعینہٖ جیسے جدیدیت خود وکٹوریائی امتناعات، خاندانی زندگی اور کوگیتو (Cogito) ''میں سوچتا ہوں۔ اس لیے ہوں'' کے ریزہ کار کارٹیزین نظریۂ عالم سے منحرف ہوئی تھی۔ درحقیقت کوگیتو کا تصور ہر نوعیت کی برتری، عظمت اور فضیلت کا ایک نقطۂ آخر تھا جہاں کلام اور تقریر اعلیٰ ترین تصور کیے جاتے تھے اور جنس اور تحریر ایک کمترین مقام کے لیے خارج کر دیے گئے تھے۔ یہ کوگیتو نطشے کے ذریعہ لامرکز کر دیا گیا تھا۔ اس ضمن میں اُس کا فقرہ ''خدا مر گیا ہے۔'' شہرۂ آفاق ہے۔ ردّتشکیل کے بنیادگزار فلسفی ژاک دریدا نے اُس کو کلام مرکزیت (Logocentrism) سے موسوم کیا جو ''تحریر'' پر ''تقریر'' کے خصوصی اقتدار، غلبہ اور فوقیت پر شدت سے زور دیتی تھی۔ مغربی ذہنی رویہ بہت حد تک ''موجودگی کی مابعد الطبیعات'' کے اثبات کا حامل تھا جو سب سے زیادہ اہمیت خیال (Idea) موجودگی اور خدا کو دیتا تھا۔ یہ ایک ایسی ساخت کی نشاندہی کرتا تھا جو مرکز کے زیر نگیں تھی۔ بیسویں صدی میں یہ مرکز ترجیحی ساخت اور موجودگی کا تصور نطشے، ہائیڈگر، فرائیڈ اور ژاک دریدا کی تحریرات سے ردّ کر دیا گیا۔ تانیثیت پسند خواتین قلمکاروں نے بھی اِن خصوصیات اور تصورات کو مردانہ شناخت کا جوہر اصل تصور کیا کہ یہ ذکر ترجیحی باقیات ہیں اور قابل ردّ ہیں۔ نتیجتاً مرد ترجیحی موجودگی کی مابعد الطبیعات، کلام (Logos) اور مرکز کی حکمرانی بالآخر ختم ہوگئی۔ داستانوی عصا سے لیس بُلند آہنگ آمرانہ مردانہ آواز اب تاج و تخت سے محروم ہوگئی۔ اس کے برخلاف ہیئت، جسم، خطوط اور تار و پود کی ساخت ہمیشہ متحرک اور تغیر پذیر تاہم اپنے ساختیاتی برتاؤ میں مستقل اور اٹل فی زمانہ مقتدر ہوگئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ محض ایک ترجیحات کی

تبدیلی ہے جو موجودگی کے تصور سے ''غیر موجودگی کے تصور'' کے لیے واقع ہوئی ہے۔ غیر موجودگی (Absense) اَب مرکزی اور محوری ہوگئی ہے۔ ردّ تشکیل غیاب اور خاموشی (Silence) کی ایک نہایت معنی خیز تلاش و تحقیق ہے۔ یہ مابعد جدیدیت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔

''موجودگی کی مابعد الطبیعات'' کی ردّ تشکیل کے بعد، ایک نئے وجود کو پیش منظر پر دھکیل دیا گیا۔ سُپر مین (فوق البشر) بحیثیت موضوع انسانی (Subject) جس میں قوت اور اقتدار کے حصول کے لیے ایک ناقابل تسخیر ارادہ کو مرکوز کیا گیا ہے۔ ایک بیگانہ انسانی وجود کے تصور پر بیسویں صدی کے وجودی فلسفہ کی پرورش ہوئی۔ جدیدیت نے بھی اس کو ایک دیوتا کے مثنیٰ کے طور پر نہیں بلکہ ایک انفرادی ایغو (Ego) کے جیتے جاگتے مجسمہ کے مانند نمایاں کیا۔ مارکسیت اور جدیدیت دونوں ہی کوگیتو (Cogito) کے تصور پر حملہ آور تھیں۔ نتیجتاً دونوں نے خود کو انسانیت پسندی (Humanism) کی میراث سے وابستہ کیا۔ اگرچہ مارکسیت نے خود اختیاری، آزادی اور خصوصاً فرد کی آزادی کی عظمت کی قصیدہ آرائی نہیں کی بلکہ اُس پر پرولتاریہ کے احکام کو مسلط کیا۔ جدیدیت میں فرد کی خود اختیاری کو نمایاں کیا گیا۔ متن کی خود اختیاری بھی بحیثیت لسانی تشکیل (Linguistic Icon) اِسی فکریاتی موقف کا بالواسطہ نتیجہ تھی جس کو نئی تنقید کے ذریعہ ''نظریایا'' گیا۔ مابعد جدیدیت میں اُس کی ردّ تشکیل کی گئی۔

اُس دور میں فرد کی خود اختیاری کے دعوے دوسری تحریکات اور شعبات میں بھی بلند کیے گئے۔ نفسیات اور جنسیات میں فرائیڈ بھی اس خیال کا خوگر تھا کہ ایغو کو اِڈ (خواہش) پر حاوی ہونا چاہیے تھا۔ سماجی طور پر بیگانہ جدیدیت پسند فنکار کی اس طرح نمایاں خوبیاں سرد عقلیت اور خود اختیاری تھیں تاہم وہ گندم نما جوفروش انسانیت پسندی کی ردّ تشکیل کو نہیں روک سکا جس کی ریاکاریاں اور مکاریاں اُس دور میں سطح پر آشکار ہونا شروع ہو چکی تھیں۔ مثلاً تباہی کے فلسفی اِسپنگلر ٹوائن بی اور سوروکن اے ایک ایسے مُکاشفاتی موقف کی پہلے بنیاڈالی تھی جس نے مغربی زوال کی پیش گوئی کی۔ خصوصی طور پر عالمی جنگ کی تباہ کاریوں کے نتیجہ میں ٹوائن بی نے مختلف ذیلی تہذیبوں (Subaltern) کے فروغ کے باعث کثیر تہذیبیت (Multiculturalism) کی فزوں ہوتی ہوئی معنویت و اہمیت کے پیش نظر مابعد جدید عہد (Post Modernera) کی ترکیب (۱۹۳۸ء) میں استعمال کی تھی اور تہذیبی تفریقیت اور اقداری تفریقیت پر زور دیا تھا جو نطشے کے اصول تفریقیت (Principle of Differentiation) پر ایک حد تک مبنی تھیں۔ گو یہ کتاب اے اسٹڈی آف ہسٹری ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ مغرب میں ۱۹۴۰ء سے قبل تک کا زمانہ جدیدیت سے عبارت تھا۔ اُس کے مماثل ہائیڈگر کے مخالف انسانیت پسند رویہ نے بھی ایغو کے علامتی مظہر کے طور پر آدمی کی امیج کو توڑنا یہ سمجھ کر عمداً شروع کر دیا کہ آدمی بھی دوسری اشیا میں محض ایک شے ہے۔ یہ فرد کا خاتمہ تھا۔ اِسی دور میں ساختیات بھی وجود پذیر ہوئی جس نے بالآخر مصنف بحیثیت خدا (خالق فنکار) کے خاتمہ کا اعلان کر دیا اور متن کی خود اختیاری کی بابت از سرنو غور و فکر کو شروع کر دیا۔ یہ ساٹھ کی دہائی کے دوران غیر معمولی وقوعہ تھا کہ جینیاتی پھوٹ گیا اور (Code) زندگی کی انگنت شکلوں، رویوں اور ہیئتوں کے نتیجے ایک ساخت کو کارفرما دیکھا گیا جو متن کو ساختیار ہا تھا۔ رُوسی ہیئت پسندی، اسلوبیات اور اسطوری تنقید بھی ساختیات کی توثیق کر رہی تھیں۔

بہت ساری دوسری چیزیں اس دہائی میں نہ صرف سیاسی بلکہ اقتصادی، سماجی اور نسلی میدانوں میں ہوئیں۔ نیو لفٹ طلبا، انسانی حقوق کی تحریک، سیاہ فام سیاست، اقلیتوں کی آواز، عورتوں کی آزادی کی تحریک، ردّ نوآبادکاری، تقسیم کاری، ردّ ہجوم کاری... یہ تمام عوامل ایک ساخت کی تخلیق کرنے کے لیے متحد ہوگئے جس میں خطوط ہمیشہ متحرک اور طوفانی تھے۔ تاہم ایک نئی عالمی ساخت ابھی ایک گورکھ دھندے اور بھول بھلیوں کے مترادف تھی۔ یہ مابعد ساختیات، تانیثی تنقید، تہذیبی مطالعات، ذیلی طبقاتی مطالعات، مظہریات، قاری اساس تنقید، رسپشن تھیوری، شعور و آگہی کا جنیوا اسکول، نئی تواریخیت، اینگلو سیکسن قاری اَساس تنقید، اسی طرح یہ مابعد جدیدیت کے باقاعدہ آغاز کا دور تھا۔ مابعد جدیدیت نت نئی علمیات اور نئی معنویات کی جانب راغب تھی۔ چھٹی دہائی کے اخیر میں مابعد جدیدیت کا اوّلین نیوکلیائی حملہ ژاک دریدا کی شہرۂ آفاق ''ردّ تشکیل کی تھیوری'' سے ہوا جو نت نئی معنویات کی حامی تھی۔ یہ عظیم ترین نیوکلیائی دھماکہ تھا جس نے ۱۹۶۸ء میں جدیدیت سے واضح ترین انحراف کا آخری فیصلہ کر دیا اور پھر بہت ساری چیزیں سچ مچ بڑی سُرعت سے واقع ہونے لگیں۔ نئی تھیوری کے ڈسکورس میں ژاک دریدا، مائیکل فوکو، ژاک لاکاں ژاں فرانسواں لیوتار، رولاں بارت، پول ودمان، ژاں بودریار، ژیولیا کرستیوا، فریڈرک جیمسن، اسٹینلے فش، آلتیو سے، ٹیری ایگلٹن، مائیکل رِفاٹیر، ایڈورڈ سعید، گائتری چکرورتی اسپیواک اور ہومی بابا نے اپنے فکریاتی اختلافات کے باوجود عالمی دانشورانہ فضا کو یکسر بدل ڈالا۔

جدیدیت پسند نئی تنقید نے حشو و زوائد کے طور پر اپنی ادبیت گزیدہ تھیوری سے مختلف فلسفیانہ مکالموں اور دوسرے بین العلومی مخاطبوں

(Discources) کو یکسر جلاوطن کر دیا اور متن کی خود اختیاری پر انتہا پسندانہ طور پر زور دیا اور اُس کو لسانی تشکیل موسوم کیا۔ درحقیقت یہ انفرادی ایغو کا ایک اوتار (تناسخ) تھا۔ ساختیات پسندوں کا خیال تھا کہ یہ تصور صرف متن کی سطح کو چھوتا تھا۔ اُس خارجی سطح کے نیچے وہاں ایک اور زیریں داخلی ساخت کارفرما ہوتی ہے، بلکہ ایک ساخت آگیں وجود رشتوں کے مکڑ جال کے روپ میں عمل آرا ہوتا ہے جو ہمیشہ معنویت کو خلق کرتا ہے۔ ساختیات پسندوں کا اصرار نہ تو متن کی خود اختیاری پر تھا اور نہ مصنف کے رول پر تھا۔ اِس ضمن میں نہ تو خلق کردہ معنویات پر تھا۔ بلکہ شعریات کی عمیق تر ساخت پر تھا اور اس کے ساختیانے (Structuring) کے سلسلۂ عمل پر تھا۔ درحقیقت ساختیاتی نظریہ ساز ''سسٹم'' (نظام) کو بھی سمجھنا چاہتے تھے۔ بہرحال وہ یقین کرتے تھے کہ تدریجی علم وآگہی ممکن ہے، لیکن ردّتشکیل پسند کا خیال تھا کہ تدریجی علم وآگہی ممکن نہیں ہے۔ ردّتشکیل نے اپنا موقع پانے پر نہ صرف موضوع انسانی (Subject) کو یکسر ختم کر دیا بلکہ ساخت کو بھی تہہ و بالا کر دیا۔ اس طرح انھوں نے گورکھ دھندے اور بھول بھلیاں کے تصور (Labyrinth) کی داغ بیل ڈالی۔ یہ تکثیری معنویاتی اور مفہوماتی انتشار کی ایک کائنات ہے۔ مابعد جدیدیت سے ایک حد تک ردّ تشکیلی تنقید کی اس روح کو اپنے اندر جذب و پیوست کر لیا ہے۔

ردّتشکیل کی تھیوری نے سسٹم (نظام) کی ٹھوس بنیاد کو ہلا دیا یا کم از کم ترجیحات کی مکمل تبدیلی کو پیدا کیا۔ ژاک دریدا کے لیے متن ایک بھول بھلیاں ہے جس میں وہ معنی کے عدم تعین کو بیان کرتا ہے یا اُس لسانیاتی اور معنویاتی دُہری گرہ بندی کو دیکھتا ہے جو معانی کے آنے والی یلغار کو روکتی ہے۔ وہ اُس کے عوض میں مراجعتی رُخ کو بحال کرتی ہے جو بازگردش کی ایک ابدی حالت میں عروج پر پہنچتی ہے۔ درحقیقت دریدا یہ اشارہ کر رہا تھا کہ ردّتشکیل کسی متن کے باہر سے نہیں آتی ہے۔ درحقیقت یہ متن کے اندر سے ہی رونما ہوتی ہے۔ متن بذات خود اپنی ردّتشکیل کرتا ہے۔ ژاک دریدا نے بے یقینی، ناطے شدگی، عدم تعین، عدم قطعیت اور عدم تحدید کے اکبری اصول کو متن اور فوق متن کے لیے استعمال کیا اور ذوقِ سلیم اور تخلیقی بصیرت کے اہل قاری کے آزاد تلازمۂ خیال کا جشن منایا ''نت نئی معنویات کی طرف'' راغب کرتا ہے۔ تمام معنویات ناپائیداری کی ایک نازک صورت حال رکھتی ہیں۔ خود اردو ادب میں ہر بدلتے تناظر کے ساتھ، قاری کی ہر نسل کے ساتھ، تاریخ کی تبدیلی کے ساتھ اہل قاری کے تقاضے غالبؔ اور میرؔ کے متن سے بدلتے رہے ہیں۔ اس تناظر میں ژاک دریدا کا ''بین المتونیت'' کے تصور کا اثبات بھی بہت کیف پرور اور معنی خیز ہے۔

بین المتونیت مابعد جدید تخلیقی ادب کے چند مرکزی تصورات میں ایک ہے۔ حقیقی زندگی کے افسانے، پریوں کے قصوں، اسطوری قصوں، داستانوی مختصر تخلیقی بیانیوں اور تمثیلوں کے برخلاف جدید کردار کے حامل تھے۔ حقیقت نگاری، رومانویت نویسی کے برخلاف جدید تھی۔ نوحقیقت نگاری کا ارضی عمرانی رویہ، داخلی نوحقیقت نگاری کا نت نیا اکسراتی طریق کار، پھر گارِسیامار کیز کی جادوئی حقیقت نگاری، جارج لوئی بورہس (بورخیز غلط ہے) نتھرا کی اور اَنا کاٹونو کی میٹا فکشنی حقیقت نگاری (فوق افسانوی حقیقت نگاری) ترقی پسندی اور جدیدیت پسندی کے برخلاف مابعد جدید ہے۔ یہ فوق افسانوی متن پر زور دیتی ہے جو بنیادی طور پر بین المتونیت پر منحصر ہوتی ہے۔ درحقیقت جدیدیت متن (Text) کو اوّلین معنویت و اہمیت دیتی تھی۔ مابعد جدیدیت فوق متن (Meta Text) کو زیادہ معنویت اور فوقیت دیتی ہے خواہ شاعری ہو افسانہ یا ناول وہ فوق افسانوی پہلو پر اصرار کرتی ہے۔ اُس کی فنّی اور جمالیاتی رُو سے ایسا متن تخلیق کرنا ناگزیر ہے جو کسی دوسرے فنکار کی شہرۂ آفاق تخلیق کو موضوع تحریر بنانا ہو اور اُن میں نئے تناظر میں یکسر نئے معانی و مفاہیم کی نئی دریافت کی کوشش کرتا ہو اور یہی تکثیری معنویاتی تلاش فوق افسانہ (Metafiction) کے تار و پود کی تخلیق کرتی ہے اور اُس کی مخصوص و منفرد جگمگاتی شناخت بھی بنتی ہے۔ یہ اکثر مفروضہ افسانوی صداقت پارہ کی تفسیر اور اُس پر نقد و تبصرہ کی بھی حیثیت رکھتی ہے۔ مجموعی طور پر فوق متن (Para Text) اپنی افہام و تفہیم خود ساخت کرتا ہے۔ اِسی وجہ سے مابعد جدیدیت بین متنی کارکردگی کو بہت اہمیت دیتی ہے اور بین متن کو ہی حقیقت اور جواز حقیقت سمجھتی ہے۔ اُس کی تفہیم و تنقید کے لیے روایتی ترقی پسند تنقید اور روایتی جدیدیت پسند تنقید ناکافی اور غیر معتبر ہے۔ اُس کے لیے نیو کلیائی فوق متنی تنقید لابُدی ہے۔

Each atom carries infinite energy. If an atom of matter has so much energy. How much more energy has the atom of being, the atom of life, the atom of conciousness, the atom of word, the atom of text the atom of metatext.

مابعد جدید تخلیقی ادب بیشتر پہلے کے اسالیب کی بازآبادکاری یا باز تخلیق باز تشکیل و تعمیر (Pastiche) پیروڈی، ذو معنویت (Pun) اور نشانیاتی و معنویاتی پیچیدہ بیانی (Innuendo) یا وگروکتی[1] سے مملو ہے اور ہر نوعیت کے الفاظ کی بازیگری اور معنویاتی تہہ داری اُس کا مابہ الامتیاز ہے۔ یہ کثیر سطحی از سرنو فکری آغاز اور از سرنو ذہنی دعوت و شراکت ہے یا

[1] مخفی بیانیہ

پرانے فن پارے کی بیک وقت از سرنو ذہنی قبولیت اور نت نئی معنویت آفرینی ہے۔ انتظار حسین کا افسانہ 'شہرزاد'، 'زرد کتا'، سریندر پرکاش کا 'بجوکا'، 'بازگوئی'، جوگندر پال کا 'کھودو بابا کا مقبرہ'، انور قمر کا 'کابلی والے کی واپسی'، 'جہاز پر کیا ہوا'، سلام بن رزّاق کا 'یک لویہ کا انگوٹھا'، 'کلہاڑی'، شوکت حیات کا 'سانپوں سے نہ ڈرنے والا بچہ'، 'مادھو'، 'بانگ'، ساجد رشید کا 'ایک مُردہ سَر کی حکایت' اور 'بادشاہ، بیگم اور غلام'، اقبال مجید کا 'لباس'، سید محمد اشرف کا 'روگ'، خالد جاوید کا 'آخری دعوت'، 'تاش کے پتوں کا عجائب گھر'، آصف فرخی کا 'پرندے کی فریاد'، 'سمندر کی چوری'، طارق چھتاری کا 'باغ کا دروازہ'، محمد منشا یاد کا 'شہر اور بکرا'، نیر مسعود کا 'طاؤس چمن کی مینا'، گلزار کا 'مائیکل اینجلو'، عابد سہیل کا 'عیدگاہ'، انیس اشفاق کا 'جنگل کا شیر'، مرزا حامد بیگ کا 'گناہ کی مزدوری'، منصور قیصر کا 'نئے عہد نامہ کا ایک مرثیہ'، مشرف عالم ذوقی کا 'اصل واقعہ کی زیروکس کاپی' اور اسرار گاندھی کا 'گہرے بادل' فوق افسانوی حقیقت نگاری کا اشاریہ کنندہ ہیں۔ یہ مشرقی جڑوں کی تہذیبی شناخت اور دیسی واد پر مبنی فوق افسانے (Supratext) ہیں۔ مرحومہ قرۃ العین حیدر ہمیشہ سے تواریخ کی فاش غلطی رہی تھیں۔ اُن کی بیشتر فوق فکشنی تحریرات حقیقی افسانوی تخلیقیت، دیسی برجستگی اور سچائی نیز تہذیبی جڑوں کی نخش تمثال (Arch Type) ہیں۔ وہ فوق افسانہ کی بھی حقیقی اور بڑی پیشرو ہیں۔ مابعد جدیدیت صرف نِرے اَدبی معیارات و آئین اقدار کی آفاقیت اور معانی کی آہن پوش مرکزیت کی ہی ردّ تشکیل نہیں کرتی ہے بلکہ یہ نت نئے معنی کے آزادانہ کھیل پر بھی زور دیتی ہے۔

مابعد جدید شعری تناظر میں صلاح الدین پرویز، گلزار اور عنبر بہرائچی کی فوق نظمیہ تثلیث نمایاں ہوئی ہے۔ ہر ایک نہایت تخلیقی تپاک اور شعری استغراق سے مسلسل تخلیقیت بار اور معنویت کشا ہے۔ جینت پرمار نے سچی، اچھی اور بھلی دَلت شاعری، سارا شگفتہ اور عذرا پروین نے بھرپور تانیثی شاعری کی ہے۔ بیک وقت غزلیہ اور نظمیہ آفاق میں محمد اظہار الحق، افضال احمد سید، ثروت حسین، علی ظہیر مصحفی، اقبال توصیفی، ش۔ کاف۔ نظام، سلیم شہزاد، عتیق اللہ، صادق، سلیم کوثر اقبال ساجد، صابر ظفر، ظفر گورکھپوری، عالم خورشید، خورشید اکبر کے علاوہ سید ابہار ندا فاضلی نت نئی کنواری برف توڑنے اور نئی دوشیزہ راہ کی تلاش مدام تلاش میں کوشاں تھے۔ ان کے علاوہ ستیہ پال آنند، فہمیدہ ریاض، لُطف الرحمٰن، سلطان اختر، ارمان نجمی، منظر شہاب، سید امین اشرف، سید احمد شمیم، افتخار امام صدیقی، عبدالاحد ساز، شاہد ماہلی، فرحت احساس، عبدالمنان طرزی، عزیز پریہار، مہتاب حیدر نقوی، شاہد جمیل، نعمان شوق، مقیم اثر، شہپر رسول، مناظر عاشق ہرگانوی، صابر زاہد، ریاض لطیف، ابراہیم اشک، سلیم انصاری، شبنم عشائی، عین تابش، ظہیر غازی پوری، خالد عبادی، شہناز نبی، ساجد حمید، آشا پربھات، چندر بھان خیال، سیفی، سرونجی، مظہر مہدی، رؤف خلش، مضطر مجاز، جمال اویسی، شمیم قاسمی، حسن فرخ، منصور عمر، راشد طراز، قمر صدیقی، ایم۔ اے۔ ضیاء، امام اعظمی، خلیل تنویر، شہاب اختر اور طارق متین وغیرہ نے مابعد جدید منظومات اور غزلیات تخلیق کیں جو لسانیاتی، اسلوبیاتی اور معنویاتی آزادی (Freedom) اور لفظ کی ثانوی سطح حافظہ (Second Order Memory) سے بیک وقت مملو ہیں۔ ایک بلند پایہ شعری حُسن پارہ ان دو سطحوں کے درمیان سمجھوتہ سے عبارت ہوتا ہے۔ یہ ایک دلآویز ادبی معنویاتی گردش کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔ بزرگوں میں پاکستان میں وزیر آغا، ہندوستان میں مظہر امام، انگلستان میں ساقی فاروقی مابعد جدید نسل کے حقیقی پیش رو ہیں۔

اردو ادب اور تنقید نے اپنی مقامی اور قومی اُردوئی مابعد جدیدیت کی تخلیق کی ہے۔ یہ ایک واحد رویہ و نظریہ کا اعلان نہیں کرتی ہے بلکہ وہ مختلف، متنوع اور بوقلموں زاویۂ ہائے نگاہ کا برملا انکشاف کرتی ہے۔ نتیجتاً ایک نئی جمالیات، نشانیات اور معنویات اردو کے تخلیقی ادب پر طلوع ہوئی ہے اور ایک نیا فکریاتی رویہ اور حسیاتی برتاؤ تخلیقی ادب کے لیے خصوصی رنگ و آہنگ میں وجود پذیر ہوا ہے۔ مابعد جدیدیت نے ہماری ادبی، عمرانی اور ثقافتی دنیا میں ایک نئے عہد کا آغاز کیا ہے۔ یہ ایک کشادہ تر ذہنی رویہ اور اطلاقی برتاؤ ہے جو ہر نوعیت کی پابندی میں آزادی کا داعی ہے اور مختلف نوعیت کے ذہنی اور عملی دباؤ پیدا کرنے والے منفی رجحانات اور پس ماندہ میلانات کو چیلنج کرتا ہے اور برملا احتجاج، مزاحمت اور مقاومت کرتا ہے۔ مابعد جدید ''اردوئی'' تنقیدی منظرنامہ میں گوپی چند نارنگ، وزیر آغا، راقم الحروف، ضمیر علی بدایونی، دیوبندر اِسّر، وہاب اشرفی اور ناصر عباس نیّر مسلسل اپنے تنقیدی نتائج فکر پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ مابعد جدید تنقیدی منظرنامہ میں یہ ہفت سیارہ آواں گارد کا درجہ رکھتا ہے۔ آج کل مابعد جدید تنقیدی مباحث میں ابوالکلام قاسمی، شافع قدوائی، قاضی افضال حسین، حامدی کاشمیری، ریاض صدیقی، انیس اشفاق، مہدی جعفری، عتیق اللہ، صادق، بلراج کومل، مناظر عاشق ہرگانوی، قیصر الاسلام، طارق چھتاری، حقانی القاسمی، احمد سہیل، مولا بخش اور مشتاق صدف پیش پیش ہیں۔ تاہم مرحوم قمر جمیل، مرحوم فہیم اعظمی اور مرحوم ضمیر علی بدایونی کی گرانقدر خدمات مابعد جدید نظریات کے ضمن میں ناقابل فراموش ہیں۔ ◆◆◆